انتظامِ ریاست اور ملک داری کے معاملات میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری پر ایک نظر

حمیرا ناز
شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

تلخیص

عورت اس کا مقام و مرتبہ اور اس کے حقوق و فرائض ہر دور میں اہل علم و دانش کا موضوع رہے ہیں حتیٰ کہ تمام مذاہب بالخصوص دینِ اسلام نے عورت کی سماجی حالت، عصمت و عفت، مرتبہ و مقام، ان کے تقدس و تکریم، انصاف و آزادی اور ان کے حقوق و فرائض کے جامع اصول پیش ہی نہیں کیے بلکہ اس نے صنفی بنیادوں پر مرد اور عورت کے درمیان امتیاز و تفریق کو ختم کیا اور انہیں بحیثیت انسان کے برابری کا درجہ دیتے ہوئے ان کے دائرہ کار کا تعین کیا اور ساتھ ہی مرتبہ انسانیت کے لحاظ سے عورت کو وہ تمام حقوق دیئے جو اسے مادی، ذہنی اور روحانی طور پر عزت و وقار اور زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اگرچہ اسلام عورتوں اور مردوں کی بنیادی مساوات کو تو تسلیم کرتا ہے اور تمام اہم اُمور میں انہیں یکساں حقوق عطا کرتا ہے لیکن وہ عورتوں اور مردوں کے طبعی اور نفسیاتی اختلافات کو بالکل نظر انداز نہیں کرتا بلکہ معاشرے کے اندر دونوں پر ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ذمہّ داریاں عائد کرتا ہے اور ان کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے ان کو حقوق عطا کرتا ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے معاشرے کو بہتر طریق پر فائدہ پہنچا سکیں چنانچہ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے ایک اہم موضوع ''انتظامِ ریاست اور ملک داری کے معاملات میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری'' کا بھی ہے۔ اس مسئلہ نے ہمارے مکاتبِ فکر کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک مکتبہ فکر سیاست میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری کا قائل نہیں جب کہ دوسرا انتظامِ ریاست میں دونوں کے دائرہ عمل ایک ہونے پر یقین رکھتا ہے۔ تاہم اس معاملے میں قرآن کی واضح تعلیمات موجود ہیں جس کے مطابق بحیثیت شہری عورتوں اور مردوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تاہم اسلام عورتوں اور مردوں کی جداگانہ خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں کے حقوق و فرائض کو الگ الگ متعین کرتا ہے تاکہ دونوں اپنی روحانی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سوسائٹی کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

کلیدی الفاظ: عورتوں کی حصہ داری، مساوات، مملکت

Abstract

The status and rights of women in the society is all time favorite subject of discussion among scholars. Islam not only presented comprehensive and fundamental rules and guidance for the social status and position of women but it also determines their field of life. In addition, with all rights are bestowed to women, which provide her chances to go forward in struggle of life. Indeed, Islam recognizes the principle of equality in all important matter of life but it does not

ignore the physical and psychological differences of men and women. It gives them rights in accordance with the responsibilities in their respective fields, so that they would benefit the society as per their capabilities. Therefore an important subject regarding the women's right is "the equal participation of women in state affairs." The subject has divided our schools of thought in two groups; one is not ready to accept the participation of women in state affairs while other believes in same field of action for both men and women. However, there are clear instructions in Quran regarding the matter, according to which there is no difference between the civil rights of men and women however keeping in view the natural difference of both genders. Islam determines the rights and duties of both genders separately so that they would use spiritual and physical capabilities accordingly, to play an important role in progress and development of society.

Keywords: Women Partnership, Equality, State

مرد اور عورت کی مابین ان کی صنفی حیثیت اور مقام و مرتبہ کا ایک نظامِ تشخّص صدیوں سے قائم چلا آ رہا ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مرتبہ انسانیت کے لحاظ سے عورت اور مرد دونوں مساوی ہیں لیکن صنف دونوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہے مرد اور عورت کو جن خواص اور ساخت کے ساتھ تخلیق کیا ہے اس کے نتیجے میں عورت مرد اور مرد عورت نہیں بن سکتے۔ اسلام کی نگاہ ان دونوں حیثیتوں پر ہے۔ اسلام انسانی معاشرے کے ہر فرد کی طبعی اور خداداد صلاحیت و استعداد کو ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کو اُجاگر کر کے اور جلا بخش کر اس فرد کو اس لائق بناتا ہے کہ وہ انسان کے فلاح و بہبود کے کام کر سکے تا کہ ایک بہترین اور صالح معاشرہ وجود میں آ سکے جس میں مردوں کے دوش بدوش خواتین کا بھی قابلِ ذکر حصّہ شامل ہو[1] لیکن اسلام عورت اور مرد کو مساوی قرار دینے کے باوجود ان کی صنفی و فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے نظامِ اجتماعی میں ان کو الگ الگ استعمال کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اسی مقام میں رکھتا ہے جس مقام میں وہ بہتر طریق پر معاشرے کو اپنی قابلیتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔[2] چنانچہ اسلام کے اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے عورت ہر شعبہ زندگی میں بجز چند اُمور کے جن میں عورتوں کی صنفی خصوصیات مانع نہ ہوں مرد کے ساتھ برابر کی شریک و سہیم سمجھی جاتی ہے لیکن چند نظام ہائے زندگی جن میں مرد اور عورتیں مساویانہ حقوق کے حامل نہیں۔ اُن میں سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام جو مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں شامل ہیں۔ ان میں دونوں کے حقوق و فرائض کی نوعیت میں کچھ فرق ہے اور یہ فرق جن حقائق پر مبنی ہے اس کے پیشِ نظر ہمارے مکاتبِ فکر عورتوں کی سیاست میں مساویانہ حصّہ داری کی تائید اور مخالفت میں دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر مقالے میں اسی کو موضوع بحث بناتے ہوئے اسلامی ریاست میں خواتین کی سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے ان دونوں مکاتبِ فکر کا نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ یہ اختلاف جن حقیقتوں پر مبنی ہے اسے اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا جائے تا کہ خواتین کو بحیثیتِ شہری کے

اسلامی ریاست میں وہ تمام حقوق حاصل ہوسکیں جس کی وہ حقدار ہے۔قبل اس کے ہم انتظامِ ریاست میں خواتین کی مساویانہ حصّہ داری کے حوالے سے جو دو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں وہ بیان کریں۔ یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں صنفی مساوات کی جو بنیادیں ہیں وہ بیان کرتے چلیں تاکہ اس کی روشنی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی جاسکے۔

اسلام میں صنفی مساوات کی بنیادیں

اسلام میں عورت کے حقوق وفرائض ،مرد کے حقوق وفرائض کے مساوی ہیں یہ دعویٰ نہیں بلکہ اس کی ٹھوس اور مستحکم دلیل خود قرآن نے دی ہے۔اسلام جس مفہوم میں عورت اور مرد کی مساوات کا دعویٰ کرتا ہے وہ ''نفسِ واحدہ '' ہے اس کا اعلان قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا:

> ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور
> اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور
> عورتیں پھیلا دیں۔[۳]

یعنی اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک نفسِ واحدہ سے پیدا کیا پھر اسی نفسِ واحدہ سے انسان کا جوڑ پیدا کیا۔یعنی صنفِ نازک کی تخلیق بھی اسی نفسِ واحدہ سے عمل میں آئی جس سے مرد کو پیدا کیا گیا۔ یہاں نہ صرف مردوں اور عورتوں کی اصولی مساوات کا اعلان کیا گیا ہے بلکہ سارے انسانوں کو بلا امتیاز نسل وخون اور قومیت مساوی قرار دیا گیا کیونکہ سب کے سب بالآخر اسی نفسِ واحدہ کی پیداوار ہیں[۴] اس حیثیت سے جس طرح مرد اس نظام کائنات کا ایک ضروری عنصر ہے اور قدرت نے ایک خاص مقصد کے لیے اس کو تخلیق کیا ہے۔اسی طرح عورت بھی اس کائنات کی مشین کا ایک ضروری پرزہ ہے اور قدرت نے اس کی تخلیق سے بھی ایک ضروری غرض وابستہ کی ہے۔جس طرح مرد قدر واحترام کا مستحق ہے اسی طرح عورت بھی قدر واحترام کی حقدار ہے۔جس طرح مرد کچھ خاص قابلیتیں اور قوتیں لے کر آیا ہے۔اسی طرح عورت بھی کچھ مخصوص قوتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوئی ہے ۔جس طرح مرد اپنے کچھ خاص جذبات وعواطف اور کچھ فطری مقتضیات ومطالبات رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے کچھ خاص رجحانات ومیلانات اور کچھ فطری مطالبات ومقتضیات رکھتی ہے۔اس لیے عورت اور مرد کو اپنے اپنے فطری رجحانات ومیلانات کے مطابق اپنے اپنے دائروں میں قدرت کے منشا کی تکمیل میں سرگرم رہنا چاہیے۔لہٰذا

معاشرے کے اندر دونوں پر ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ذمّہ داریاں ہونی چاہئیں اور ان کی ذمّہ داری کے اعتبار سے ان کو حقوق ملنے چاہئیں[۵] اس بنا پر جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے اسلام میں مرد اور عورت کے درمیان ہرگز کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اب ہم اس کی روشنی میں سیاست میں عورتوں کے دائرۂ عمل سے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کی رائے پیش کریں گے۔

اسلامی حکومت میں خواتین کا دائرۂ عمل:

سیاسی مساوات اور انتظامِ ریاست میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری کی مخالفت میں دلائل:

جو حضرات عورتوں کو انتظامِ مملکت اور دوسری سیاسی سرگرمیوں میں مردوں کے برابر کر دینے کے حامی نہیں، وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسلام مرد و زن کے درمیان تو مساوات تسلیم کرتا ہے لیکن باقی رہی وہ مساوات جو اس نظریہ پر مبنی ہے کہ ''مرد اور عورت دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں اس لیے انتظامِ ملک میں دونوں کو مساوی حصّہ ملنا چاہیے[۶] جس کی رُو سے عورت وزیر اور وزیرِ اعظم بھی بن سکتی ہے'' تو اس مساوات کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسلام عورت کے سربراہِ مملکت ہونے کا حامی اور موید نہیں ہے کیونکہ سربراہِ مملکت کے لیے ضروری ہے کہ وہ (قرآن کی تشریح کے مطابق) بسطۃً فی الجسم اور بسطۃً فی العلم رکھتا ہو۔ ذہنی اور جسمانی قوتوں کے اعتبار سے اسے ممتاز ہونا چاہیے تاکہ تقنین اور تنفیذ یہ دونوں کام احسن طریقے سے انجام دے سکے۔ وہ سرحدوں کی حفاظت کر سکے، جنگ میں فوج کا قائد بن سکے، مملکت اور ریاست کے الجھے ہوئے معاملات کو حسنِ تدبیر سے سلجھا سکے۔ ملک کے داخلی اور خارجی اُمور میں رہنمائی اور ان کی نگرانی کا فرض ادا کر سکے، ساتھ ہی اُس کی شخصیت ایسی باوقار اور پُر رعب ہونی چاہیے کہ وہ اپنے فیصلوں کو منوا سکے اور اپنے احکام کو نافذ کر سکے۔[۷] ازروئے قرآن یہ تمام اوصاف و کمالات بیک وقت ایک مرد میں ہی ہو سکتے ہیں عورت میں نہیں۔ کیونکہ قرآن عورت کو مرد کے مقابلے میں ایک صنفِ ضعیف و لطیف مانتا ہے اور ظاہر ہے ایک صنفِ لطیف و ضعیف حکمرانی کے اس بھاری بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ قرآن میں صاف طور پر مذکور ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی
النِّسَآء [۸]

''مرد عورتوں پر محافظ اور نگراں ہیں''۔

تو ایک عورت کو سرابرہ مملکت بنا کر ملک کے تمام مردوں پر حاکم اور فرمانروا بنا دینا قرآن کے اس ارشاد کو یک لخت پلٹ دینے کے مترادف ہے کیونکہ ایک فرمانروا ملک کے لیے بااختیار و بااقتدار ہونا ضروری ہے اور عورتیں از روئے احکامِ شریعت و صنفی خصوصیات، مرد کی طرح مکمل طور پر بااختیار نہیں ہیں[9] اس لیے عورتیں نہ صرف سربراہِ مملکت بننے کی اہل نہیں بلکہ انتظامِ مملکت کے دوسرے شعبوں کے لیے بھی ناموزوں ہیں۔ چنانچہ اس طبقہ فکر کے لوگ اس سلسلے میں یہ دلائل دیتے ہیں کہ چونکہ ایک عورت کو وراثت میں حصّہ مرد سے آدھا ملتا ہے۔ ہر ماہ اسے نماز اور تلاوتِ قرآن سے اور روزہ رکھنے سے چند روز کے لیے محروم ہونا پڑتا ہے۔ حمل اور ولادت کے دنوں میں اُس کی معذوریاں بڑھ جاتی ہیں اور وہ کسی کارِگران وثقیل کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ پھر دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ چار عورتوں کی گواہی دو مردوں کے برابر نہیں۔ بہرحال ایک مرد ضرور ہونا چاہیے اور قرآن نے اس کی وجہ بھی بتادی:

"تاکہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے"[10]

یہی وہ حکم ہے جس کی بنیاد پر عورتوں کو حدیث میں ناقصات فی العقل کہا گیا ہے اور اوپر جو معذوری مذکور ہوئی اُس کی وجہ سے ناقصات فی الدین فرمایا گیا ہے۔ اور یہی وہ اسباب ہیں، جن کے باعث وہ سربراہ مملکت بننے کی اہل نہیں، بلکہ وہ ان اسباب کے باعث نماز میں امامت بھی نہیں کرسکتی۔ غلام اور بچوں پر جس طرح نمازِ جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح عورت پر بھی فرض نہیں ہے۔ جہاد کا اگر حکم دیا جائے تو عورت پر وہ عائد نہیں ہوتا۔ حج مرد پر صرف استطاعت زادوراحلہ کی بنیاد پر فرض ہوجاتا ہے لیکن عورت کا حال یہ نہیں اُس کے لیے محارم میں سے کوئی ہمراہ ہونا بھی ضروری ہے۔ گھوڑے کی سواری کرنا اسلامی سماجیات میں عورت کے لیے نامحمود ہے[11] جب وہ ان کاموں کو کرنے سے معذور ہے تو ریاست کے معاملات میں کیسے مساویانہ حقوق کی حقدار قرار دی جاسکتی ہے؟ پھر ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ عورت کی فطرت اور سیاست کے مزاج میں فطری طور پر نامناسبت ہے۔ کیونکہ حدیث میں عورتوں کو آبگینہ (قواریر) کہا گیا ہے اور یہ ارشاد ہے اس بات کی طرف کہ عورت مرد کے مقابلے میں زُودرنج، نازک مزاج اور سریع الحس ہوتی ہے[12] پھر عورت کے مزاج میں فعل سے زیادہ انفعال، کسر سے زیادہ انکسار اور تاثیر سے زیادہ تاثر کا غلبہ ہے۔ چونکہ وہ زودِ حس بھی واقع ہوئی ہے اس وجہ سے واقعات وحالات سے وہ جلد اثر پذیر بھی ہوجاتی ہے اور اس کا یہ اثر تیز اور شدید بھی ہوتا ہے اس کی یہ فطرت اس کے فطری دائرہ کے اندر، جہاں معاملہ صرف اپنوں سے ہے اس کے فرائض کے لحاظ سے نہایت موزوں ہے۔ اس کے سبب سے وہ متعلق افراد یعنی شوہر اور اولاد کے لیے سراپا ایثار و محبت بنی ہوئی

رہتی ہے، ان کی ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا وقت سے پہلے احساس کر لیتی ہے تو اس کے ازالہ کے لیے اس کے اندر ایسی بے چینی اور بے قراری پیدا ہو جاتی ہے کہ جب تک اسے دور نہ کر لے اس کو چین نہیں پڑتا اگر چہ اس کے لیے اسے سب کچھ قربان کر دینا پڑے [۱۳] لیکن سیاست کے اندر اس کا مزاج نہ تو خود اس کے مناسب حال ہے اور نہ ریاست کے۔ اوّل تو حکومت کا مزاج انفعال سے زیادہ فعل، انکسار سے زیادہ کسر اور تاثر سے زیادہ تاثیر کا متقاضی ہے۔ اس کی خصوصیات مردانہ ہیں۔ وہ ایک متعین ارادہ رکھتی ہے اور اس ادارہ کو ایک فاعلانہ عزم اور آمرانہ زور وقوت کے ساتھ نافذ کرنا چاہتی ہے ثانیاً اس کے معاملات نہایت پھیلے ہوئے، اپنوں اور بیگانوں ہر ایک سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کے انصرام میں وہی رویہ زیادہ قرینِ مصلحت وسیاست ہوتا ہے جس میں جذباتی پن سے زیادہ سکون مزاج اور سرعت وجلد بازی سے زیادہ عزیمت غالب ہو۔ چونکہ عورتیں جذباتی اور ضرورت سے زیادہ حساس ہوتی ہیں اگر وہ حکومت کے کاموں میں دخیل ہو جائیں تو بسا اوقات سلطنت کو خطرہ میں مبتلا کر دیتی ہیں [۱۴] چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ سے روایت بھی ہے کہ:

> ''جب آپ کو معلوم ہوا کہ اہلِ ایران نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جنھوں نے اپنی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی ہے''۔ [۱۵]

چنانچہ تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ بہت جلد اس کی حکومت زوال پذیر ہوگئی۔ لہٰذا اس طبقہ فکر کے مطابق یہی وہ عورت کی خلقی صفت ہے جس کے باعث قرآن میں اسے: فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ترجمہ: ''اور بحث و حجّت میں اپنا مدّعا پوری طرح واضح بھی نہیں کر سکتی''۔ [۱۶]

فرمایا گیا ہے علاوہ ازیں قرآن میں ہے: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ترجمہ: ''اور وہ عورتیں رہیں اپنے گھروں میں''۔ [۱۷]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک عورت کا دائرۂ عمل اُمورِ خانہ داری تک محدود ہے اور اسی بناء پر اسے رَبَّةُ الْبَيْتِ گھر کی مالکہ کہا جاتا ہے۔ پھر عورتوں کے لیے قرآن میں حجاب کا بھی حکم ہے۔ جس کے باعث وہ مردوں سے اور مرد اُن سے خلا ملا نہیں رکھ سکتے لہٰذا یہ باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ از روئے شریعتِ محمدی ایک عورت کسی اسلامی مملکت کی صدر یا فرمانروا نہیں ہو سکتی، صدر ہونا تو کجا! وہ فوج کی کمانڈر، کلکٹر اور کمشنر سپرنٹنڈنٹ، پولیس، جج، سفیر تک نہیں ہو سکتی۔ صحیح بخاری میں بھی ارشاد نبوی ہے:

> ''ہرگز وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے اوپر عورت کو حاکم بنا دے''۔ [۱۸]

پس عورتوں کی سیاست میں مساویانہ حصّہ داری کی مخالفت میں جو مذکورہ بالا دلائل ایک طبقہ فکر کی رائے سے سامنے آتے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مساواتِ مردوزن کے نظریہ کی اساس پر عورت کو انتظامِ حکومت اور معاشی جھمیلوں میں ڈالنا اپنے اندر مضّرت کے گونا گوں پہلو رکھتا ہے سب سے پہلے تو اس کا مضر اثر خود عورت کی ذات اور اس کی خلقی صفات پر ظاہر ہوتا ہے، پھر آگے چل کر خاندان اور معاشرہ اس کی مضرّتوں سے نہایت بُری طرح متاثر ہوتے ہیں اور آخر میں خود ریاست اس کے نقصانات کا شکار ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کے مہلک نتائج کی لپیٹ میں فرد، سماج اور ریاست تینوں بیک وقت آتے ہیں۔[۱۹]

سیاست میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری کے حق میں عقلی دلائل

سیاسی پہلو سے جو حضرات مرد اور عورت کی کامل مساوات کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ دور جمہوریت کا دور ہے۔ اسلام نے جو خلافت کا تصور دیا ہے اور عملاً اس کا قیام بھی ہوا ہے اس میں تو عورت کی حاکمیت نہیں ہے، البتہ جمہوری نظام میں اس کی گنجائش ہے اور خلافت و جمہوریت دو الگ الگ چیزیں ہیں[۲۰] لہٰذا آج کل کے جمہوری نظام میں عورت اور مرد دونوں کے حقوق و فرائض بالکل ایک سے ہونے چاہئیں کیونکہ قدرت نے جن قوتوں اور قابلیتوں سے مرد کو مسلح کیا ہے۔ بعینہٖ انہی قوتوں اور قابلیتوں سے عورت کو بھی مسلح کیا ہے اور مرد جو کچھ کر سکتا ہے عورت بھی وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس لیے معاشرہ میں عورت و مرد کی جدوجہد کا دائرہ بھی ایک ہی ہونا چاہیے[۲۱] لہٰذا جو شہری حقوق مردوں کو حاصل ہیں وہی شہری حقوق عورتوں کو بھی حاصل ہیں۔ ریاست کی جو ذمّہ داریاں مردوں پر عائد ہوتی ہیں وہی ذمّہ داریاں عورتوں پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ جس طرح مرد شہری اور ملکی حقوق ادا کرنے کے لیے پولیس اور فوج میں بھرتی کیے جاتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی پولیس اور فوج میں بھرتی کی جائیں۔ جس طرح مرد سپاہی، پائلٹ، کپتان اور کمانڈر بنتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی سپاہی، پائلٹ، کپتان اور کمانڈر بنیں، جس طرح مرد وکیل اور جج، ڈپٹی کمشنر اور کمشنر، سفیر اور وزیر، گورنر اور گورنر جنرل ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی ان تمام مناصبِ عالیہ پر سرفراز ہونا چاہیے۔ جس طرح مردوں کو الیکشن لڑنے ممبر منتخب ہونے، پارلیمینٹری سیکریٹری، وزیر اور وزیر اعظم بننے کے مواقع حاصل ہیں۔ اسی طرح ان ساری قسمت آزمائیوں کے لیے عورتوں کو بھی مردوں کے برابر موقع ملنے چاہئیں۔ غرض زندگی کے ہر شعبہ اور جدوجہد زندگی کے ہر گوشہ میں ان لوگوں کے نزدیک مرد عورت ہے اور عورت مرد۔ اس مساوات کو یہ حضرات اجتماعی زندگی میں ہم رنگی و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بغیر ملک ترقی کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا۔[۲۲]

جیسا کہ اس نظریہ سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ نظریہ سیاسی واجتماعی دائرہ کے اندر مردوزن کی کامل مساوات کا مدعی ہے اور کسی پہلو سے بھی مرد کے لیے کسی قسم کی ترجیح تسلیم کرنے کا روادار نہیں، نہ حقوق میں نہ فرائض میں۔اس لیے اس نظریہ کے حامل لوگ انتظام ریاست میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری کی پہلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

i) جب ملک کا ہر باشندہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس پر اچھی طرح حکومت کی جائے اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ اس حق سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے، جب تک انتظامِ ریاست میں باشندگانِ ملک کے لیے نمائندگی کا حق تسلیم نہ کیا جائے تو جس طرح مرد ان دونوں چیزوں کے حقدار تسلیم کیے گئے ہیں۔اسی طرح عورتوں کے لیے بھی یہ دونوں حق تسلیم کیے جانے چاہئیں۔عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح حق رکھتی ہیں کہ ان پر عمدہ طریق سے حکومت کی جائے اور پھر اس حق سے لازمی طور پر یہ حق بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کو براہِ راست اور مساویانہ حیثیت سے نظامِ حکومت میں حصّہ لینے کا موقع دیا جائے۔[۲۳]

ii) دوسری دلیل اس سلسلہ میں یہ دی جاتی ہے کہ جب خاندانی نظام کے اندر عورت کے حقِ ملکیت اور اس کے تصرّف کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور ہر معاملہ میں مردوں کی اجارہ داری کا قدیم اصول باقی نہیں رہا اور تجربہ نے اس کا مفید ہونا بھی ثابت کر دیا تو پھر یہی حق عورتوں کے لیے اجتماعی وسیاسی دائرہ کے اندر بھی کیوں نہ تسلیم کیا جائے؟ یہ کیا ظلم ہے کہ عورتوں سے ٹیکس کے لیے تو مطالبہ کیا جائے لیکن اس کے خرچ سے متعلق ان کی رائے نہ دریافت کی جائے؟ جب عورت نے اندرونِ خانہ کی ذمّہ داریوں کے لیے اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دے دیا تو بیرونِ خانہ کی ذمّہ داریوں کے لیے اُسے کیوں نااہل سمجھا جائے؟ جو مساوات نجی زندگی کے اندر خیر کا باعث ہوتی ہے آخر وہ اجتماعی وسیاسی معاملات میں کیوں مضر ثابت ہوگی؟۔[۲۴]

iii) ایک دلیل مساویانہ شرکت کے حق میں یہ بھی دی جاتی ہے کہ بہت سی قومیں، جو عورت کے لیے کسی قسم کا بھی سیاسی حق تسلیم نہیں کرتی ہیں۔بسا اوقات سلطنت کا حکمران ایک عورت کو بنا دیتی ہیں اور تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے پھر جب عورت کے لیے سلطنت کا مقتدرِ اعلیٰ کے منصب پر متمکن ہونا جائز سمجھا جاتا ہے تو عام شہری کی حیثیت سے انتظامِ ملک میں اس کی شرکت کو تو جائز ہونا چاہیے۔[۲۵]

iv) چوتھی دلیل عورت کی دراندازی سیاست میں بڑے زور وقوت کے ساتھ یہ پیش کی جاتی ہے کہ عورت اور مرد دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں اس لیے دونوں کو انتظامِ ملک میں مساوی طور پر حصّہ دار ہونا چاہیے۔مرد جو کچھ کر سکتا ہے عورت بھی وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔اس لیے حکومت کی ذمّہ داریوں سے اس کو الگ رکھنا اس

کی حق تلفی ہے۔ [26]

7) سیاست وملک داری میں عورت کے دخل کو جائز ٹھہرانے والے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ جنگِ جمل میں سیدہ عائشہؓ بنفس نفیس خود فوج کی قیادت کر رہی تھیں۔ ملکہ سبا بلقیس کی سربراہی اور حکومت کا تفصیلی واقعہ قرآن کریم میں موجود ہے اور اس لیے پورے واقعہ کے سیاق وسباق کو غور سے پڑھنے کے بعد یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ عورت کی قیادت اور سیاست پر قرآن کریم نے کہیں کوئی نکیر نہیں کی ہے [27] اور خود متحدہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں کی حکمران ایک عورت تھی۔ جیسے نور جہاں، جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ۔ حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو کہ (خواتین کا فخر) کہلاتی ہیں (جنھوں نے انگریزوں کے خلاف لکھنؤ میں جنگ کی کمانڈ کی)۔ پھر بیگم بھوپال کی مثال بھی سامنے آتی ہے جس نے اپنی ریاست میں پوری شان اور دبدبے کے ساتھ حکمرانی کی اور اُس وقت ان کا ساتھ وقت کے اکابر علماء اور اسلامی دانشوروں نے بھی دیا [28] اور موجودہ دور میں بھی کئی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں وزارت کے منصب پر عورت بھی حکمراں رہی ہے جیسے دومرتبہ وزارت کے منصب پر بے نظیر بھٹو فائز رہی ہیں۔ بنگلہ دیش میں بھی حسینہ واجد دومرتبہ وزیراعظم رہی ہیں۔ پھر محترمہ فاطمہ جناح پاکستان بننے کے بعد صدارتی انتخاب لڑ چکی ہیں۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان بھی سیاست میں سرگرم رہی ہیں۔

چنانچہ ان دلائل کی روشنی میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ رہا حضور اکرم ﷺ کا ارشاد اور حدیث، سو وہ ایک خاص پس منظر میں ہے۔ کسریٰ کی لڑکی، سربراہی اور قوم کے مستقبل کے تعلق سے ''خبر'' کی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ ''حکم شرعی'' کی۔ چنانچہ تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ کسریٰ کی لڑکی کی حکومت ناکام رہی اور بہت جلد تاریخ کے صفحۂ ہستی سے اس کا وجود ختم ہو گیا۔ [29]

غرض اس نظریہ کے بموجب تمام مدنی وسیاسی حقوق وفرائض میں عورت کو بھی مرد کے دوش بدوش حصّہ لینے کا پورا حق ہے۔ تمام اجتماعی سرگرمیوں میں اس کو مردوں کے برابر حصّہ لینے کی آزادی ہونی چاہیے ملازمتوں میں خواہ سول ہوں یا فوجی، اس کی پوری نمائندگی ہونی چاہیے۔ دوسری تمام سیاسی سرگرمیوں میں بھی اس کی شرکت پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے [30] یہ نظریہ جیسا کہ واضح ہو چکا ہے اجتماعی وسیاسی دائرہ کے اندر مردوں کی کامل مساوات کا مدعی ہے اور کسی پہلو سے بھی مرد کے لیے کسی قسم کی ترجیح تسلیم کرنے کا روادار نہیں ہے، نہ حقوق میں نہ فرائض میں۔ [31]

مندرجہ بالا یہ دونوں نظریے جو عورتوں کی سیاست میں مساویانہ حصّہ داری کی تائید اور مخالفت پر مبنی ہیں، اپنی اساس وبنیاد اور اپنے نتائج واثرات میں اتنے مختلف ہیں کہ جس طرح مشرق ومغرب کو یکجا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح

ان دونوں نظریات کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے [۳۲] تاہم ان نظریات کی اختلافی بحث نے یہ موقع دیا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری سے متعلق اسلام کی صحیح صحیح تعلیمات پیش کریں تاکہ اس کی روشنی میں اسلامی ریاست میں عورتوں کے حقوق وفرائض کا تعین کیا جاسکے۔

نظریہ مساواتِ مردوزن شریعت کی کسوٹی پر

اسلامی ریاست میں جس طرح مردوں کو حقوق حاصل ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی حقوق حاصل ہیں اور جس طرح مردوں پر فرائض عائد ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ بحثیت شہری کے ایک مسلم اور ایک مسلمہ میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن دونوں کے حقوق وفرائض کی نوعیت میں کچھ اختلاف ہے اور یہ اختلاف جن حقیقتوں پر مبنی ہے ان کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ [۳۳]

اگرچہ اسلام مردوزن میں مساوات کو تسلیم کرتا ہے لہٰذا اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انسان ہونے کے ناطے مرد اور عورت دونوں مساوی نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں نوع انسانی کے دو مساوی حصّے ہیں۔ تمدن کی تعمیر اور تہذیب کی تاسیس وتشکیل اور انسانیت کی خدمت میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ دل، دماغ، عقل، جذبات، خواہشات اور بشری ضروریات دونوں رکھتے ہیں تمدن کی صلاح وفلاح کے لیے دونوں کی تہذیبِ نفس، دماغی تربیت اور عقلی وفکری نشونما یکساں ضروری ہے تاکہ تمدن کی خدمت میں ہر ایک اپنا پورا پورا حصّہ ادا کرسکے۔ اس اعتبار سے مساوات کا دعویٰ بالکل صحیح ہے اور ہر صالح تمدن کا فرض یہی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی فطری استعداد اور صلاحیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع دے۔ ان کو علم اور اعلیٰ تربیت سے مزّین کرئے، انہیں بھی مردوں کی طرح تمدنی ومعاشی حقوق عطا کرئے اور انہیں معاشرے میں عزت کا مقام بخشے تاکہ ان میں عزتِ نفس کا احساس پیدا ہو اور ان کے اندر وہ بہترین بشری صفات پیدا ہوسکیں جو صرف عزتِ نفس کے احساس ہی سے پیدا ہوسکتی ہیں جن قوموں نے اس قسم کی مساوات سے انکار کیا۔ جنہوں نے اپنی عورتوں کو جاہل، غیر تربیت یافتہ، ذلیل اور حقوقِ مدنیت سے محروم رکھا ہے وہ خود پستی کے گڑھے میں گرگئی ہیں، کیونکہ انسانیت کے پورے نصف حصّہ کو گرا دینے کے معنی خود انسانیت کو گرا دینے کے ہیں۔ [۳۴]

لیکن مساوات کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا حلقۂ عمل ایک ہی ہو، دونوں ایک ہی سے کام کریں، دونوں پر زندگی کے تمام شعبوں کی ذمہّ داریاں یکساں عائد کردی جائیں اور نظامِ تمدن میں دونوں کی

حیثیتیں بالکل ایک سی ہوں۔ اس کی تائید میں سائنس کے مشاہدات اور تجربات سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ عورت اور مرد اپنی جسمانی استعداد اور قوت کے لحاظ سے مساوی ہیں مگر صرف یہ امر کہ ان دونوں میں اس قسم کی مساوات پائی جاتی ہے، اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ فطرت کا مقصود بھی دونوں سے ایک ہی طرح کے کام لینا ہیں۔ ایسی رائے قائم کرنا اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ دونوں کے نظامِ جسمانی بھی یکساں ہیں۔ دونوں پر فطرت نے ایک ہی جیسی خدمات کا بار بھی ڈالا ہے اور دونوں کی نفسی کیفیات بھی ایک دوسرے کے مماثل ہیں [۳۵] جبکہ علم الحیات کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے عورت اور مرد دونوں کی جسمانی اور دماغی قوت اور استعداد بالکل مساوی نہیں ہے۔ علم الحیات کی روشنی میں عورت کی ساخت، نظام عصبی و جسمانی تغیرات (ماہواری، زمانہ حمل، وضع حمل اور مابعد حمل) رضاعت بچے کی پرورش و نگہداشت اور تربیت میں عورت اپنی افتادِ طبع اور فطری ساخت میں مرد کے مساوی نہیں بلکہ مختلف ہے۔ اس اعتبار سے مرد اور عورت مساوی نہیں ہیں بلکہ دونوں کا حلقہ عمل یا میدان عمل جدا جدا ہے [۳۶] ٹھیک اسی اصول پر مرد اور عورت دونوں میں ایک نقطہ اشتراک ہے اور ایک نقطہ اختلاف۔ یعنی مرتبہ انسانیت میں دونوں ایک ہیں لیکن صنف دونوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہے اسلام کی نگاہ ان دونوں حیثیتوں پر ہے۔ اس بناء پر جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے اسلام میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے لیکن دوسری طرف اسلام نے ان کے حقوق و فرائض اس طرح معین کیے کہ چند دائروں میں دونوں صنفوں کے حقوق و فرائض مشترک اور مساوی ہیں اور بعض دوسرے دائروں میں فطری اختلافات کے لحاظ سے ان کے حقوق و فرائض مختلف رکھے گئے ہیں۔ اس طرح عورتیں ایک لحاظ سے مردوں کے بالکل مساوی ہیں اور مرد کو قدرے افضل قرار دیا گیا ہے لیکن اس فضلیت سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں بالکل بے حق اور بے اختیار ہیں اور نہ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ فطرت نے اپنی نعمتوں سے عورتوں کے ساتھ ناانصافی سے کام لیا ہے کیونکہ تمدنی زندگی میں تقسیم کار کے اصول پر بعض حقوق و فرائض مرد کے اور بعض عورت کے تفویض کیے گئے ہیں جس سے مرد کو کسی قدر برتری حاصل ہوگئی ہے [۳۷] اسی وجہ سے اسلام عورت و مرد کی مساوات ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لیے الگ الگ حدودِ عمل مقرر کرتا ہے اور ان کو کشمکش اور تصادم سے بچانے کے لیے ان کے حقوق و فرائض میں امتیاز کرتا ہے۔ [۳۸] اس لیے مردوں اور عورتوں میں سے کسی کے لیے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ اپنے فطری حدود پھلانگ کر دوسرے کے حدود میں داخل ہوں اور ایک دوسرے کی تقلید کرنے کی کوشش کریں بلکہ ہر ایک کو اپنے دائرہ کے اندر اپنی خصوصیات پر قائم رہتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

انتظام ریاست کی ذمہ داریاں اور عورت

جہاں تک مدنی وسیاسی حقوق وفرائض میں عورت کو بھی مردوں کے دوش بدوش حصّہ لینے کا تعلق ہے اسلام، معاشرت وتمدن کی دوسری ضروری اور اہم خدمات کے لیے جس میں انتظامِ ریاست کا شعبہ بھی شامل ہے عورت کو ان جھمیلوں سے الگ رکھنا چاہتا ہے اور ان کاموں میں اس کی شرکت کو خود ان کاموں کے لیے بھی ضرر رساں قرار دیتا ہے اور ان دوسرے مقاصد کے لیے بھی نقصان دہ خیال کرتا ہے جو پوری خوش اسلوبی کے ساتھ صرف عورت کے ہاتھوں ہی انجام پا سکتے ہیں [۳۹] کیونکہ اولاً تو عورت اور مرد کے طبعی رجحانات ومیلانات میں بڑا فرق ہے۔ دوسرے خاندان کی ذمّہ داریوں کا ایک بہت بڑا بوجھ پہلے سے عورت کے اوپر لدا ہوا ہوتا ہے جس کو اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ اس وجہ سے یہ بالکل خلافِ انصاف ہے کہ اس کے اوپر ریاست کی ذمہ داریاں بھی بالکل مرد کے برابر لاد دی جائیں۔ [۴۰]

ثانیاً اسلام، معاشرہ کے اخلاقی تحفظ کے لیے بھی دونوں جنسوں کو الگ الگ رکھنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اس نے نہایت تفصیل کے ساتھ پردہ کے احکام دیے ہیں، اس وجہ سے اسلامی نظام میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ عورت اور مرد، دونوں معاشی وسیاسی سرگرمیوں میں دوش بدوش حصّہ لے سکیں بلکہ وہ لازماً دونوں کے لیے الگ الگ دائرہ عمل معیّن کرتا ہے یہ علیحدگی اخلاقی پہلو سے قطعِ نظر عورت کے حقوق کے تحفظ کے نقطہ نظر سے بھی منصفانہ ہے کیونکہ مشترک دائرہ کے اندر یہ لازمی ہے کہ مرد اپنی فطری برتری کی وجہ سے عورت پر حاوی رہے گا جس کے سبب سے عورت کے حقوق تلف ہوں گے اور اگر عورت کا دائرہ عمل الگ ہو تو اپنے دائرہ کے اندر اس کو پوری خودمختاری حاصل رہے گی [۴۱] لہٰذا ان دو اصولوں کے پیشِ نظر اسلام، مملکت کی سیاسی سرگرمیوں میں عورت کی شمولیت کو اُس کے لیے ضرر رساں قرار دیتا ہے کیونکہ اس سے اس کو مادی اور روحانی دونوں قسم کے گوناگوں نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے:

i) اسلام کے قانون کی رو سے عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں ہو سکتی اور اگر کسی مرد کی اقتداء میں وہ نماز ادا کرے تو اس کے لیے بھی بعض شرطیں ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے اس حکم کی وجہ عورت کی کمتری یا مرد کی فضیلت نہیں ہے بلکہ یہ سرتاسر اسلام کے اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ عورت کی فطری، جنسی خصوصیات اور مرد کے جنسی میلانات کی وجہ سے عورت کی امامت میں یہ کھلا ہوا اندیشہ ہے کہ نماز کا وہ اخلاقی وروحانی مقصد ہی فوت ہو جائے جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے [۴۲] تاہم شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے ''امامت'' (مراد نماز) کے لیے تقوی اور ''امارت'' (مراد حکومت کی سربراہی) کے لیے ''صلاحیت'' کو شرط قرار دیا ہے۔ [۴۳]

ii) اسلامی قانون کی رو سے عورت مجسٹریٹ اور جج وغیرہ بھی نہیں بن سکتی۔بعض فقہانے اگر اس کی اجازت دی بھی ہے تو بہت سے مستثنیات اور شرائط کے ساتھ کہ اگر وہ قاضی بن سکتی ہے تو صرف خواتین کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے۔اگر خواتین کے لیے علیحدہ عدالتیں ہوں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ وہ انصاف کے مطابق کام کر سکیں [۴۴] اس کی بنیاد بھی عورت کی تحقیر پر نہیں ہے بلکہ اسکی صنفی خصوصیات کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر یہ قدغن لگائی ہے۔

iii) فوج میں عورتوں کی شرکت کا حال یہ ہے کہ بعض مثالیں اگر چہ احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے ملتی ہیں کہ عورتوں نے میدان جنگ میں حصّہ لیا۔صحیح البخاری میں عورتوں کے میدانِ جنگ کے حالات کے متعلق ایک پورا باب ہے۔ [۴۵] بخاری شریف میں ہے کہ عورتوں نے زخمیوں کو پانی پلایا،انہوں نے مجاہدین کو ابتدائی طبی امداد دی اور حضرت نصیبہؓ کا نام خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے [۴۶] لیکن اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی کہ مدافعت یا جہاد میں حصّہ لینا عورتوں پر بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے۔اسلام میں فریضہ جہاد اصلاً واولاً مردوں کے لیے مخصوص ہے۔اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو براہ راست جہاد میں حصّہ لینے کی نہ کبھی دعوت دی اور نہ کبھی ان کی شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔عرب کے دستور کے مطابق اگر کچھ خواتین اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ہمراہ اسلامی فوج کے ساتھ کبھی نکل پڑیں تو زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے،مریضوں کی تیمارداری،کھانا پکانے اور اس قسم کی خدمات میں حصّہ لینے کا موقع دیا گیا اور مال غنیمت میں سے بھی بطورِ حصّہ کے نہیں بلکہ بطور عطیہ کے ان کو کچھ دے دیا گیا لیکن نہ تو عورتیں اپنے عزیزوں کے بغیر کبھی ان غزوات میں نکلیں،نہ ان کو کبھی جنگ میں حصّہ لینے کی دعوت دی گئی،نہ براہ راست جنگ میں حصّہ لینے کا ان کو موقع دیا گیا،نہ مالِ غنیمت میں ان کو بحیثیت حصّہ دار کے شریک کیا گیا اور نہ جنگو ں میں ان کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی گئی [۴۷] اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

> یارسول اللہ! ہم جہاد کو سب سے زیادہ افضل نیکی سمجھتے ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا! نہیں، بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل نیکی حج مقبول ہے''۔ [۴۸]

صحیح بخاری کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''تمہارا جہاد حج ہے''۔ [۴۹]

پردہ کے احکام نازل ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے حوصلہ شرکت جہاد

کے خلاف ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا تھا تاکہ یہ لے بڑھنے نہ پائے۔ [۵۰]

تاہم اسلام کے اولین دور کی پوری تاریخ میں عملی سیاست میں کسی عورت کے حصّہ لینے کی اگر کوئی قابلِ ذکر مثال ملتی ہے تو وہ صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ملتی ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا مطالبہ کیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ سے ان کی جنگ ہوئی جو جنگِ جمل کہلاتی ہے۔ اس جنگ میں حق پر کون تھا اور کس سے اجتہاد کی غلطی صادر ہوئی اس امر سے اس موقع پر بحث نہیں ہے صرف سوال یہ ہے کہ اس جنگ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ایک عورت کی حیثیت سے اس معاملہ میں پڑنا صحیح تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق متعدد صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی رائیں رجال وتاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ وہ کسی ایک فریق کی جانبداری پر محمول کی جاسکتی ہیں اس لیے صرف یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو اس سارے جھگڑے میں غیر جانبدار رہے اور دوسرا یہ کہ ان کے علم وتقوٰی پر کبھی کسی نے حرف رکھنے کی جرات نہیں کی۔ روایت ہے کہ انہوں نے صاف صاف کہا: ''حضرت عائشہؓ کے لیے اس معاملہ میں پڑنے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھتیں۔ [۵۱]

حضرت علیؓ جو اس معاملے میں فریق کی حیثیت رکھتے تھے انھوں نے بھی حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ آپ کا یہ اقدام حدودِ شریعت سے متجاوز ہے اور حضرت عائشہؓ اپنی کمال درجے کی ذہانت وفصاحت کے باوجود اس کے جواب میں کوئی دلیل نہ پیش کر سکیں۔ [۵۲]

پھر یہ بھی ثابت ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد حضرت عائشہؓ خود اپنے اس فعل پر پچھتاتی رہیں لیکن اس کے بعد اُم المومنین نے اپنی ساری اصلاحی سرگرمیاں عورتوں تک محدود رکھیں پھر کبھی کسی عام سیاسی ہنگامہ میں حصّہ نہیں لیا۔ [۵۳] جبکہ آج موجودہ دور میں عورتوں کی فوجی خدمات میں براہ راست حصّہ لینے اور فوج میں عملی شرکت کرنے کی ذمہّ داری کا سوال ہے تو یہ ذمہّ داری عورتوں پر اسلام میں نہیں ہے تاہم اتنا ضرور ہے کہ حفاظتِ ذات کے نقطہ نظر سے عورت کو مدافعت کی اس حد تک تربیت تو ضرور دینی چاہیے کہ وہ شخصی وانفرادی چیرہ دستیوں سے اپنی ذات اور اپنے ناموس کو بچا سکیں۔ [۵۴] لیکن جہاں تک ملکی مدافعت کا سوال ہے تو موجودہ زمانہ کی جنگ اس بات کا تقاضا ضرور کرتی ہے کہ ان کا اسلحہ کے استعمال، ہوائی حملہ کی صورت میں بچاؤ، فرسٹ ایڈ اور اس قسم کے دوسرے کاموں سے واقف رہنا ضروری ہے۔ اس لیے عورتیں اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان چیزوں کی ضروری تربیت حاصل کریں تاکہ اگر کوئی ناگہانی صورت پیش آجائے تو عورتیں بھی ملک وملّت کی مدافعت اور جہاد کے اجر وثواب میں شریک ہوسکیں۔ [۵۵] غرض یہ وہ چند اسلام کی تعلیمات ہیں جو عورتوں کی انتظامِ حکومت اور دوسری سیاسی سرگرمیوں میں مردوں کے مساوی حصّہ داری کے حوالے سے پیش کی گئیں ہیں۔ تاہم ان تعلیمات سے ہرگز عورت کی تنقیص

مطلوب نہیں بلکہ یہ حد بندی اسلام کی نظر میں اس کی صنف کا احترام اور اُس کی رعایت ہے کیونکہ اسلام ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھنے کا قائل ہے۔

اسلام میں عورتوں کے سیاسی حقوق

جہاں تک عورتوں کے سیاسی حقوق کا تعلق ہے اسلامی ریاست عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں کرتی۔ معروف اسکالر اور مفسرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے عورتوں کے سیاسی حقوق کو تفصیلاً بیان کیا ہے جو اسلامی ریاست میں ایک شہری کی حیثیت سے اسلام نے عورتوں کو دیے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

i) اسلامی ریاست ہر عورت کے جان و مال اور ناموس کی حفاظت کا ذمہّ لے گی۔

ii) عورت اپنی ملک ذاتی رکھ سکے گی اور ریاست اس حق کی محافظ ہوگی۔

iii) شریعت نے عورت کو جو حقوق دے رکھے ہیں۔ ریاست اس بات کی ذمہّ دار ہوگی کہ ان حقوق سے بہرہ مند ہونے کے لیے عورت کو پوری آزادی حاصل رہے۔ رسم و رواج وغیرہ قسم کی چیزیں اس کی آزادی اور اس کے حقوق پر اثر انداز نہ ہوسکیں گی۔

iv) عورتوں کو تحریر و تقریر کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ وہ اپنی انجمنیں بنا سکیں گی، اپنے اخبار اور رسالے نکال سکیں گی، حکومت پر تنقید کر سکیں گی، اپنے اسلامی حقوق کا مطالبہ کر سکیں گی، ہر قسم کے عام ملکی مسائل پر آزادانہ اظہار رائے کر سکیں گی۔

v) عورت کی شخصی آزادی بالکل محفوظ ہوگی۔ شریعت کی مقررہ پابندیوں کے سوا اور کوئی پابندی اس پر عائد نہیں کی جائے گی۔

vi) اسلام کے حدود کے اندر مسلک و مذہب اور رائے و خیال کی جو آزادی مردوں کو حاصل ہوگی وہ عورتوں کو بھی حاصل ہوگی۔

vii) عورت کو قانونی مساوات حاصل ہوگی یعنی غربت و امارت اور شرافت و حقارت کی بناء پر قانون ایک عورت اور دوسری عورت میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔

viii) نسل و نسب، غربت و امارت اور پیشہ وغیرہ کی بناء پر اسلامی ریاست میں کسی کو شریف اور کسی کو ذلیل نہیں قرار دیا جائے گا۔

ix) اسلامی بیت المال میں جس طرح مردوں کے حقوق ہوں گے اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہوں گے۔

x) ہر حاجت مند عورت کی جملہ ضروریات کی کفالت ریاست کے ذمہّ ہوگی۔

xi) جس طرح مردوں کی تعلیم کا ریاست بندوبست کرے گی اسی طرح عورتوں کی تعلیم کے لیے بھی وہ ذمہّ دار ہوگی۔

xii) بے لاگ اور بے معاوضہ انصاف حاصل کرنے کا انتظام جس طرح مردوں کے لیے ہوگا اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہوگا۔

xiii) اگر کوئی عورت قرض چھوڑ کر مرے گی اور کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑے گی جس سے وہ قرض ادا کیا جاسکے تو ریاست اس کے قرضہ کی ادائیگی کی ذمہّ دار ہوگی۔

xiv) کسی عورت کو اطاعتِ الٰہی کے خلاف کسی بات کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

xv) ہر عورت کو ریاست کے بڑے سے بڑے حاکم سے درخواست وفریاد کرنے اور اس پر اعتراض و نکتہ چینی کرنے کا پورا حق ہوگا۔[۵۶]

اس کے علاوہ اسلامی ریاست میں عورت کو ووٹ دینے کا بھی حق حاصل ہوگا چنانچہ سورۃ الممتحنہ میں ہے:

> ''اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان باندھیں گی تو ان سے بیعت لے لیجیے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔[۵۷]

اس آیت میں یہاں عربی کا لفظ ''یبایعن'' استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ہمارے موجودہ دور کے انتخابات سے زیادہ جدیدیت کا حامل ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ محض اللہ کے رسول ہی نہ تھے بلکہ وہ ریاست کے سربراہ بھی تھے اور عورتیں آپ ﷺ کے پاس آئیں اور وہ آپ ﷺ کے سربراہ ہونے پر راضی ہوئیں لہٰذا اسلام عورت کو ووٹ دینے کا برابر حق دیتا ہے۔[۵۸]

غرض یہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کی محض چیدہ چیدہ خصوصیات تھیں جو اسلامی ریاست میں ایک عورت کو حاصل ہوتی ہیں عورت کو بحیثیت شہری کے جو حقوق مذہبِ اسلام نے دیئے ہیں وہ کسی اور مذہب اور معاشرے نے

نہیں دیئے۔جس طرح انسانی معاشرے کا ایک اہم رکن مرد ہے اسی طرح معاشرے کی دوسری اہم رکن عورت ہے۔ پس اس معاشرے کا وجود، اس کی بقا اور اس کا تسلسل دونوں پر منحصر ہے۔اس لیے دونوں کو اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپنی قوت کے ساتھ اپنا حق ادا کرنا چاہیے۔لہٰذا ہمارے معاشرے کی حفظ و بقا بھی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم دونوں کو یکساں عزت واحترام کا مستحق بھی سمجھیں اور دونوں کو الگ الگ بھی رکھیں۔اگر ہم نے ان میں سے کسی کو بھی حقیر جانا تو سرے سے اس نظام ہی کو درہم برہم کر کے رکھ دیں گے جس کے بقاء کو قدرت بھی چاہتی ہے اور جس کا بقاء خود ہماری بقاء کے لیے بھی ناگزیر ہے۔[۵۹]

حوالہ جات

۱۔ اکبر آبادی، سعید احمد (۱۹۸۳ء) خواتینِ اسلام، مشمولہ: ماہنامہ، برہان، دہلی، ندوۃ المصنفین، جلد ۹۱، شمارہ ۳، ص ۱۳۱، ۱۳۲

۲۔ اصلاحی، امین احسن (اکتوبر ۲۰۰۱ء) اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ص ۸۵

۳۔ سورہ النساء، ۴:۱

۴۔ صدیقی، محمد مظہر الدین (۲۰۰۹ء) اسلام میں حیثیتِ نسواں، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ص ۷

۵۔ اصلاحی، امین احسن (۲۰۰۲ء) اسلامی ریاست، لاہور، دار التذکیر، ص ۱۵۹، ۱۶۰

۶۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، حوالہ سابقہ، ص ۹۵

۷۔ اکبر آبادی، سعید احمد (نومبر ۱۹۶۴ء) نظرات، مشمولہ: ماہنامہ برہان، دہلی، ندوۃ المصنفین، جلد ۵۳، شمارہ ۵، ص ۲۵۹

۸۔ سورہ النساء: ۳۴

۹۔ نظرات، حوالہ سابقہ، ص ۲۵۹

۱۰۔ سورہ البقرہ: ۲۸۲

۱۱۔ نظرات، حوالہ سابقہ، ص ۲۵۹، ۲۶۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۶۰

۱۳۔ اسلامی ریاست، حوالہ سابقہ، ص ۱۶۹

۱۴۔ ایضاً،ص ۱۶۹،۱۷۰

۱۵۔ بخاری،احمد،نسائی،ترمذی

۱۶۔ سورہ الزخرف:۱۸

۱۷۔ سورہ الاحزاب:۳۳

۱۸۔ نظرات،حوالہ سابقہ،ص ۲۶۰

۱۹۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص ۱۹۷

۲۰۔ عثمانی،عمید الرحمٰن، (فروری ۱۹۸۹ء)،نظرات،مشمولہ: ماہنامہ برہان، دہلی، ندوۃ المصنفین، جلد ۱۰۳،شمارہ ۲،ص ۲

۲۱۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص ۸۳

۲۲۔ ایضاً،ص ۷۵،۷۶

۲۳۔ ایضاً،ص ۱۷۶،۱۷۷

۲۴۔ ایضاً،ص ۱۷۹،۱۸۰

۲۵۔ ایضاً،ص ۱۸۱

۲۶۔ ایضاً،ص ۱۸۶

۲۷۔ عثمانی،عمید الرحمٰن،نظرات،حوالہ سابقہ،ص ۳

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص ۹۹

۳۱۔ ایضاً،ص ۹۶

۳۲۔ ایضاً،ص ۸۴

۳۳۔ اسلامی ریاست،حوالہ سابقہ،ص ۱۵۹

۳۴۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ (جنوری ۱۹۸۹ء) پردہ، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز،ص ۱۸۲

۳۵۔ ایضاً،ص۱۸۳

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ اسلام میں حیثیتِ نسواں،حوالہ سابقہ،ص۳۱

۳۸۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص۸۸،۸۹

۳۹۔ ایضاً،ص۹۹

۴۰۔ ایضاً،ص۲۲۱

۴۱۔ ایضاً،ص۲۲۲

۴۲۔ اسلامی ریاست،حوالہ سابقہ،ص۱۶۳

۴۳۔ عثمانی،عمید الرحمٰن،نظرات،حوالہ سابقہ،ص۴

۴۴۔ نیازی،لیاقت علی خان(۲۰۱۱ء)اسلام کا نظامِ حیات،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،ص۳۳۳

۴۵۔ دیدات،شیخ احمد(۲۰۱۰ء)مترجم:مصباح اکرم،اسلامی نظامِ زندگی۔قرآن عصری سائنس کی روشنی میں، لاہور،عبداللہ اکیڈمی،ص ۴۸۲

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ اسلامی ریاست،حوالہ سابقہ،ص۱۶۵

۴۸۔ صحیح البخاری: کتاب الجہاد والسیر ،باب ا

۴۹۔ صحیح البخاری: کتاب الجہاد والسیر ،باب ۶۲

۵۰۔ چنانچہ غزوہ خیبر سے متعلق یہ روایت ملتی ہے: حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرتﷺ کے ساتھ نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ چھٹی وہ تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب آنحضرتﷺ کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہم کو بلوا بھیجا۔ہم حاضر ہوئیں تو ہم نے آپؐ کو غضبناک پایا۔آپؐ نے پوچھا تم کس کے ساتھ نکلیں؟ ہم نے جواب دیا: یارسول اللہ ہم چلی آئی ہیں۔اُون کاتتی ہیں، کچھ اللہ کا کام کرتی ہیں، ہمارے ساتھ کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے،ہم تیر پکڑا دیں گی،ستو گھول کے پلادیں گی۔آپؐ نے فرمایا: چلو واپس جاؤ۔ پھر جب اللہ نے خیبر فتح کرادیا تو آپؐ نے ہم کو مردوں کی

طرح حصّہ دیا۔حشرج کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ دادی کیا چیز ملی ،تو فرمایا کھجور۔(سنن ابی داؤد: کتاب الجہاد، باب۱۵۲)

۵۱۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص۱۰۴

۵۲۔ مودودی ،سید ابوالاعلیٰ (دسمبر ۲۰۰۶ء) اسلامی ریاست ،لاہور،اسلامک پبلیکشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ،ص ۵۳۴

۵۳۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص۱۰۶

۵۴۔ ایضاً،ص۱۹۰

۵۵۔ ایضاً،ص۲۲۶

۵۶۔ اصلاحی،امین احسن،اسلامی ریاست،حوالہ سابقہ،ص۱۷۱،۱۷۲

۵۷۔ سورہ الممتحنہ:۱۲

۵۸۔ اسلامی نظامِ زندگی۔قرآن عصری سائنس کی روشنی میں،حوالہ سابقہ،ص۴۸۱

۵۹۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام،حوالہ سابقہ،ص۸۸

ڈاکٹر حمیرا ناز بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔